

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّ

أَصِيلًا ۝ (الاحزاب: 41-42)

قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فِي مَقَامٍ آخَرَ

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ (المزمل: 8)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ذکر کثیر کے حکم میں راز:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو“۔ اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے اپنی یاد کا حکم دیا۔ مگر ایک نشاندہی بھی فرمادی کہ ذکر کثرت کے ساتھ کرنا ہے۔ یہ نشاندہی فرمانے میں ہمارا بہت فائدہ ہو گیا۔ اس لیے کہ ڈاکٹر جب کوئی دوائی دیتا ہے تو بتاتا ہے کہ اس دوائی کو آپ نے دن میں ایک مرتبہ لینا ہے۔ صبح و شام لینا ہے یا صبح، دوپہر اور شام لینا ہے۔ دوائی کی مقدار کا صحت کے حاصل ہونے میں بڑا دخل ہے۔ اگر وہ دوائی دن میں تین مرتبہ کھانی تھی اور کوئی آدمی اس کو تیسرے دن کھا لیتا ہے تو اس کو شفا نہیں ہوگی۔ حالانکہ دوائی ٹھیک تھی لیکن مقدار پوری نہیں تھی۔ اسی طرح وہ سالکین جو ذکر تو کرتے ہیں لیکن مراقبہ میں وقت پورا نہیں دیتے۔ کبھی پوچھیں تو پانچ منٹ کا مراقبہ، کبھی پوچھیں تو دس منٹ کا مراقبہ۔ منٹوں میں مراقبہ سے دل نہیں بنا کرتے۔ دنیا کے بادشاہوں کا دستور ہے کہ ان کی ملاقات کے لیے جب بھی کوئی آتا ہے، تو گھنٹوں اسے انتظار میں بٹھاتے ہیں۔

آپ کسی دفتر میں وزیر کو ملنے جائیں، صدر کو ملنے جائیں، گھنٹوں دفتر میں انتظار کرنا پڑے گا۔ اس پروردگار کے ہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ جو اس کی ملاقات چاہے، جو اس کی محبت چاہے، جو اس کا وصل چاہے وہ بھی گھنٹوں اپنی یاد میں بٹھاتے ہیں۔ دن بسر ہوتے ہیں، زندگی گزرتی ہے اللہ کی یاد میں۔ اس لیے کہ تھوڑا ذکر انسان کو فائدہ نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَذْذَبَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ ؕ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ هُوَ الَّذِي

(النساء: 143-142) ”وہ ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا سا، لٹکے ہوئے ہیں دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف نہ ان کی طرف۔“

تو یہ نشاندہی فرمادی کہ ذکر کثرت کے ساتھ! اس میں بڑا راز پنہاں ہے۔

بے جا شکوہ:

آج سالکین طریقت ذکر کرتے نہیں اور پھر شکوہ بھی کرتے ہیں کہ جی فائدہ نہیں ہوتا۔ آنکھ قابو میں نہیں، دل قابو میں نہیں۔ بھئی! بتانے والے شیخ نے نسخہ بالکل ٹھیک بتایا ہوتا ہے، کھانے والا مریض اس کی مقدار کا خیال نہیں رکھتا۔ اسی لیے جب بھی معمولات کے بارے میں پوچھیں تو کہتے ہیں جی حضرت! بس کیا کریں مراقبہ کا وقت نہیں ملتا۔

اب بتائیے کہ وہ کیسا مجنون جس سے پوچھیں تو کہے لیلیٰ کو یاد کرنے کا وقت نہیں ملتا۔ آج ہماری وہی حالت ہے۔ دنیا سمجھتی ہے یہ سالک ہیں، صوفی ہیں۔ یہ فلاں شیخ سے بیعت ہیں اور اس سب کے باوجود ہم اپنے معمولات کو وقت نہیں دیتے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

مَنْ لَا وِرْدَ لَهُ لَا وَاِرِدَ لَهُ جِسِّ آدَمِي كَأَوْرِدِ نَيْسَانَ لَمْ يَأْتِ بِبِرٍّ وَلَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ

واردات کے ہونے کے لیے ورد ہونا لازمی ہے۔ تو یہ جو معمولات بتائے جاتے ہیں یہی تو بنیاد ہیں۔ انہیں کو باقاعدہ کر لیجیے۔ استقامت کے ساتھ، پابندی کے ساتھ کیجیے۔ پھر اس کی برکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیے۔

جس بندے کو کسی نسخے سے شفا ملے وہ تو اس نسخے کو ہر ایک کو بتاتا ہے۔ ہمارے مشائخ کا بھی یہی معمول ہے۔ انہوں نے اس ذکر کے نسخے سے شفا پائی اور اسی پیغام کو انہوں نے اس دنیا میں پہنچایا۔ ہر ایک کو بتایا کہ بھئی ذکر کی کثرت کرو۔

فکر کی گندگی کیسے دور ہو؟

ایک اصولی بات کو یاد رکھ لیجیے کہ فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوتی ہے۔ جو بندہ چاہے کہ میرے خیالات پاک ہو جائیں۔ نفسانی، شیطانی، شہوانی خیالات کا جو ہجوم ہے میری سوچوں میں، دماغ میں وہ ختم ہو جائے۔ تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔ علم کے حاصل ہونے سے وساوس سے نجات نہیں ملتی، عبادت زیادہ کرنے سے وساوس سے نجات نہیں ملتی۔ اللہ کے راستے میں خیرات زیادہ کرنے سے وساوس سے نجات نہیں ملتی۔

جس آدمی کو بخار ہو، وہ وٹامن کھالے تو یہ کھانے سے بخار دور نہیں ہوتا۔ کوئی درد کی گولی کھانے سے بخار دور نہیں ہوتا۔ ہاں! اینٹی بائیوٹک ایسی دوائی ہے کہ جب وہ اسے استعمال کرے گا تو اللہ رب العزت جلدی شفا عطا فرمائیں گے۔ اس لیے کہ وہ بنی ہی اسی بیماری کو دور کرنے کے لیے ہے۔ ”ذکر اللہ“ دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

ذِكْرُ اللَّهِ شِفَاءُ الْقُلُوبِ ”اللہ رب العزت کا ذکر دلوں کے لیے شفا ہے۔“

تو اس سے شفا ملتی ہے۔

جذبِ فیض کے لیے قلب کی استعداد بنانے کا طریقہ:

ایک نقطے کی بات عرض کرتا چلوں کہ قرآن مجید میں بھی شفا ہے۔

وَيَشْفِي صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ (التوبہ: 14)

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء: 80)

وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ (يونس: 57)

وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ (يونس: 57)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ

الْآخِسَارِ (بنی اسرائیل: 82)

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْوَا هُدًى وَ شِفَاءٌ (حمّ السجده: 44)

یہ شفا ہے مگر کیسے؟ اس بات کو ذرا تفصیل سے سمجھیں۔ ایک حافظ صاحب جو بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھاتے ہیں۔ صبح سے لیکر مغرب تک یا عشاء تک۔ ہر وقت قرآن مجید کی آواز ان کے کانوں میں پڑ رہی ہے۔ ایک وقت میں پانچ پانچ بچے۔ سات، سات بچے منزل سنار ہے ہیں اور وہ سب کی غلطیوں کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ منزل سن رہے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں فرمان الہی ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف: 204) ”اور جب

قرآن مجید پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمتیں برسیں۔“

تو قرآن کی تلاوت سے رحمتوں کے برسنے کا ثبوت قرآن مجید سے مل رہا ہے۔ جب ایک بندے کی

تلاوت سے رحمتیں برستی ہیں تو جس استاد کے گرد پچاس یا ستر بچے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، تو وہاں کتنی رحمتیں برس رہی ہوں گی۔ اب یہ حافظ صاحب جو صبح سے لے کر عشا تک قرآن مجید کی تلاوت کرتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں۔ اب یہ اگر شیخ کو بتاتے ہیں کہ حضرت میری نگاہ میرے قابو میں نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی فکر والی بات تو ہے نا۔ کہیں نہ کہیں مصیبت تو ہے نا کوئی۔

قرآن مجید کی رحمتوں میں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اور پچاس بچے بیٹھے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اور کوئی گھنٹے، دو گھنٹے کی بات نہیں۔ صبح سے لیکر شام تک پڑھ رہے ہیں پھر اس قرآن پاک کے انوارات دل کو منور کیوں نہیں کر رہے؟ پھر دل سے زنگ دور کیوں نہیں ہو رہا؟ دل کے اندر یہ شہوات ختم کیوں نہیں ہوتیں؟

آخر ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچہ سبق سن رہا ہے کئی مرتبہ استاد کی نظر اسی بچے کے اوپر بری پڑ رہی ہوتی ہے۔ آخر اس مصیبت میں کیا راز ہے؟ اگر اتنا قرآن مجید سن کر بھی اس بندے کا تصفیہ قلب نہیں ہوتا تو اور کہاں ہوگا؟ شفا کیوں نہیں ہو رہی؟ ہمارے مشائخ نے اس کا حل بتایا:

وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ابتداء میں اس کا نظام انہضام (ڈائجسٹو سسٹم) اتنا کمزور ہوتا ہے کہ وہ بہت ہلکا دودھ پی سکتا ہے۔ بھاری دودھ نہیں پی سکتا۔ چنانچہ اس کو ماں اپنا دودھ پلاتی ہے یا پھر بکری کا دودھ پلاتے ہیں۔ وہ یہ ہضم کر لیتا ہے۔ اگر آپ اس کو پہلے دن بھینس کا دودھ پلا دیں تو اس کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا، صحت کی بجائے الٹا اس کو بیماری ہو جائے گی۔ تو ماں کا دودھ پیسے نہیں تو بکری کا دودھ، پھر جب اس کی صحت اور اچھی ہو گئی، بڑا اور جوان ہو گیا۔ اس کو اب آپ اگر بھینس کا دودھ بھی پلا دیں گے تو وہ اس کو بھی ہضم کر لے گا۔ اس لیے کہ اس کی استعداد بڑھتی چلی گئی۔

بالکل اسی طرح ایک سالک بالکل ابتداء میں جب بیعت ہوتا ہے، دین کی طرف آتا ہے، ابھی اس کے

اندر استعداد نہیں بنی ہوتی۔ قرآن مجید کے انوارات کے نزول میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس کا قلب ان انوارات کو جذب نہیں کر رہا ہوتا۔ چکنے گھڑے پہ بارش ہوتی ہے، پانی کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ ابتدا ہی میں بے چارہ چکنا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے انوارات تو ہوتے ہیں مگر اس پر اثر نہیں ہو رہا ہوتا۔ کیوں کہ قرآن مجید کے انوارات میں ثقل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

اللَّهِ (الحشر: 21) ”اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے (نازل فرماتے) تو تو دیکھتا کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے“

یہ ایسا کلام ہے، ارشاد فرمایا:

إِنَّا سَنُلْقِيٰ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (المزمل: 5)

اس قول کے اندر ثقل (بھاری پن) ہے۔ یہ ہر بندے کے بس کی بات نہیں کہ اس کو اپنے قلب کے اندر جذب کر سکے۔ اس کے لیے قلب کی استعداد بنانی پڑتی ہے۔ تو مشائخ ہر آنے والے اور توبہ کرنے والے سالک کو ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جو ذکر کا نور ہے وہ انتہائی لطیف اور ہلکا ہے۔ کتنا ہی گناہ گار بندہ کیوں نہ ہو، جب بھی اللہ کے نام کا ذکر کرے گا فائدہ ضرور پائے گا۔

حضرت مدنی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نام میں اتنی برکت ہے کہ ریا کاری سے بھی اگر کوئی بندہ نام لے گا تو اس کا فائدہ وہ بھی ضرور پائے گا۔ یہ نام ایسا ہے کہ اگر ابتداء میں اس کا ذکر کیا جائے تو قلب اس کا نور جذب کرتا ہے۔ قلب کی استعداد بڑھتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ پھر سالک کا قلب قرآن مجید کے انوارات کو جذب کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پھر تلاوت کی جاتی ہے تو اس کا دل منور

ہو جاتا ہے، اس کا ایمان بڑھتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب یہ نماز پڑھتا ہے تو نماز کے انوارات کو بھی یہ قبول کرتا ہے۔

نقشبندی سلوک یقیناً موصل ہے:

ہمارے علمائے کرام (مشائخ) نے باقاعدہ اس کا کورس ترتیب دیا ہے۔ اور اس کورس کو سلوک کہتے ہیں۔ ہمارے اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اسباق ہیں اور مشائخ ہر آنے والے کو (سالک کو) اس پر چلاتے ہیں۔

جیسے آجکل موٹروے بنا ہوتا ہے کہ آپ ایک جگہ سے اینٹر ہوں (داخل ہوں) تو کہیں آپ نکل نہیں سکتے، سوائے اس منزل کے جہاں آپ کو پہنچنا ہے۔ ایسی سڑکیں ترقی یافتہ ملکوں میں بنی ہوئی ہیں کہ جو بندہ داخل ہو جائے اب وہ نکل نہیں سکتا، دونوں طرف دیواریں ہیں، جہاں منزل آئے گی، وہاں وہ نکل سکے گا۔ تو منزل تک پہنچے بغیر وہ رہ نہیں سکتا۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے ارشاد فرمایا:

”ہمارے مشائخ نے اللہ رب العزت سے ایسا سلوک مانگا ہے، جو یقیناً موصل ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اس راستے پر چلے گا تو اللہ رب العزت کی مہربانی شامل حال ہوگی اور وہ یقیناً اپنی منزل پر پہنچے گا۔

تو اس بات کو اپنے مکتوبات میں لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ”ہمارے ہاں سالک کی سستی کے سوا اور کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوتی۔“

اگر کوئی چلنے والا بندہ ہی گاڑی بند کر کے کھڑا ہو جائے تو وہ گاڑی منزل پر نہیں پہنچے گی، چلتی رہے گی تو منزل پر پہنچے گی۔ دیر یا سویر یہ علیحدہ بات ہے۔ ہمارا سلوک بھی ایسا ہے۔

تو جو سالک اس راستے پر چلتا رہے دیر یا سویر منزل پر ضرور پہنچے گا۔ ہاں! سست ہو جائے، معمولات ہی کرنا چھوڑ دے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے وہ انجن ہی بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ لہذا سالکین کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے معمولات کو اپنے کھانے پینے سے زیادہ ضروری سمجھیں۔ ناشتہ چھوٹ سکتا ہے، دوپہر کا کھانا چھوٹ سکتا ہے، رات کا کھانا چھوٹ سکتا ہے، نیند کم ہو سکتی ہے، مگر ہمارے معمولات کم نہیں ہو سکتے۔ جب سالک کی یہ کیفیت بن جائے گی تو پھر یہ اوراد و وظائف اس کو فائدہ دینے لگ جائیں گے۔ ابتداء میں خود کوشش کرنا پڑتی ہے۔

ابتداء میں اوراد و وظائف کی حیثیت:

حضرت اقدس تھانویؒ نے لکھا ہے کہ مبتدی کے لیے اوراد و وظائف دوائی مانند ہیں، اور منتہی کے لیے اوراد و وظائف غذا کی مانند ہیں۔

کئی دفعہ کڑوی دوائی پینا بڑی مشکل ہوتی ہے۔ بچوں کو کڑوا کھانسی والا شربت پلائیں تو وہ منہ بناتے ہیں کہ یہ دوائی نہیں پینی لیکن اگر اسی بچے کو آئس کریم کھلائیں تو وہ ایک پلیٹ کھانے کے بعد بھی تمنا کرے گا کہ ایک پلیٹ اور ہو جاتی۔ تو ابتداء میں سالک کو اپنے آپ کو ذکر پر لگانا پڑتا ہے۔ نفس نہیں چاہتا، مارے باندھے بٹھانا پڑتا ہے۔ اب اس میں بھی شیطان ذہن میں وساوس ڈالتا ہے۔ اکثر و بیشتر سالکین آ کر کہتے ہیں:

”حضرت میں تو بیٹھتا ہوں، مجھے تو نیند آ جاتی ہے تو پھر بیٹھنے کا کیا فائدہ؟“

اولاد کے بندے! بھلے نیند آ جائے، بیٹھنے کا فائدہ ہے۔ اس لیے کہ عام سالک کو نیند میں اور ذکر کے کرنے کے وقت میں جو بندے کی کیفیت ہوتی ہے، اس میں وہ فرق ہی نہیں کر سکتا۔ اس کو کیا پتہ کہ وہ نیند تھی یا ناعاس تھا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ يُغَشِّبُكُمُ النَّعَاسَ اٰمَنَةً (الانفال: 11)

یہ بھی ایک اونگھ کی قسم ہوتی ہے، مگر عام بندہ فرق نہیں کر سکتا۔ مگر اس نعاس کی کیفیت میں اس کے لطائف پرواز کر رہے ہوتے ہیں۔ انجن سٹارٹ ہو چکا ہوتا ہے، وہ چل رہا ہوتا ہے، ترقی مل رہی ہوتی ہے۔ اگر کوئی فقیر کسی بادشاہ کے دروازے پر فجر پڑھ کے بیٹھ جائے اور ظہر تک انتظار میں بیٹھا رہے، اس دوران اس کو گھنٹہ، دو گھنٹہ اونگھ بھی آجائے اور بادشاہ ظہر کے وقت پوچھے: تم کب میرے در پر آئے؟ تو وہ کیا بتائے گا؟ دو گھنٹے کم کر کے کہے گا یا یہ کہے گا کہ فجر پڑھ کے آیا ہوا ہوں؟ اس لیے کہ جب در پر آ گیا پھر اگر نیند آ بھی گئی تو در پر بیٹھنے والوں میں تو شمار ہو ہی جائے گا۔ تو سالک جب مصلے پر بیٹھ گیا، دنیا کو اس نے چھوڑ دیا، اب اس کو تھکاوٹ ہے یا کوئی بھی وجہ ہے جس سے نیند آ گئی، تو اس نیند کی وجہ سے اس کی باطنی ترقی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

محبت الہی ناپنے کا پیمانہ:

اس لیے سالک کو چاہیے کہ بیٹھنے کی پابندی کرے۔ اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ مجھے اللہ رب العزت سے کتنی محبت ہے؟ تو وہ ذرا دیکھے کہ مصلے پہ بیٹھنے کا شوق کتنا ہے؟ جب مصلے پر بیٹھنے سے وحشت ہو، بس آیا اور دو رکعت پڑھ کے بھاگا، سنت موکدہ پڑھیں اور فرض پڑھے باقی سب کچھ چھوڑ کے اٹھ گیا۔ جب یہ حالت دیکھیں کہ مصلے پہ بیٹھنے سے وحشت ہوتی ہے، سمجھ لیں کہ نہیں ابھی دوری ہے۔ اس لیے جب مومن مسجد میں آتا ہے، تو حدیث پاک میں فرمایا گیا:

اَلْمُؤْمِنُ فِي الْمَسْجِدِ كَالسَّمَكِ فِي الْمَاءِ ”مومن کو مسجد میں ایسے سکون مل جاتا ہے جیسے مچھلی کو

پانی میں سکون ملتا ہے۔“

مراقبہ کے لیے وقت متعین کرنا ضروری ہے:

تو سالک کو چاہیے کہ اپنے نفس کو مارے، باندھے، خود کو بٹھائے۔ کچھ سالکین ایسے ہوتے ہیں کہ ہم ذکر کریں گے، جب وقت مل گیا۔ نا، نا، نا۔

ابتدا میں وقت کو متعین کریں۔ ڈھیل دے تو نفس صبح کہے گا، شام کو کریں گے، اور شام کو کہے گا، کل صبح کو کریں گے۔ اور اسی صبح شام میں زندگی تمام ہو جائے گی۔ وقت کا تعین کر لیجیے۔ جیسے آج کل لوگ کھانا وقت پر کھا لیتے ہیں، سالک کو چاہیے کہ اس کو باطنی کھانا سمجھے۔

تَحْتَاجُ الْقُلُوبُ إِلَى أَقْوَاتِهَا مِنَ الطَّعَامِ ”دلوں کو بھی قوت کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔“

جیسے جسموں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہم اپنا روحانی کھانا وقت پر کھانے کی پابندی کریں۔ وقت متعین کر لیں۔ ہر بندے کی اپنی کیفیت ہوتی ہے۔ کوئی عصر سے مغرب تک بیٹھ سکتا ہے، کوئی عشاء کے بعد بیٹھ سکتا ہے، کوئی فجر کے بعد۔ تو جو بھی وقت ہو اس کی پابندی کیجیے۔ اپنے نفس کو بٹھائیے۔ جو مرضی ہو۔ اب اس میں کوئی مصروفیت نکل آئے گی، ملنے والے نکل آئیں گے، مگر اس کی پابندی کیجیے۔ اہل خانہ کو بھی پتہ ہو کہ اتنے سے اتنے وقت پر یہ ذکر و مراقبہ میں بیٹھتے ہیں اور اس وقت ان کو کسی نے ڈسٹرب نہیں کرنا۔

کچھ وقت تو ہم بھی متعین کر لیں اللہ کی یاد کے لیے تاکہ کہہ سکیں: اے اللہ! ساری دنیا سے ہٹ کٹ کے بیٹھ جاتے تھے تیری یاد کے لیے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ مجدد الف ثانی نے (لی مع اللہ) اس وقت کی بڑی عجیب تفصیل لکھی ہے۔ لیکن اتنا عرض ہے کہ ہم بھی اسی وقت کی اتباع میں اپنا وقت اللہ کے لیے فارغ کر لیں۔ بس دل میں یہ سوچیں کہ میں نے اپنے رب کے سامنے بیٹھنا ہے۔

خیالات آنے سے نہ گھبرائیں:

توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کریں۔ پہلے دن آپ بیٹھیں گے، ہو سکتا ہے ننانوے خیال آپ کو گندے آئیں اور صرف ایک خیال اچھا آئے۔

اسی موڑ پر علما، طلبا ذکر کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ذکر میں تو الٹا زیادہ وسوسے آتے ہیں۔ بھائی! ذکر میں وسوسے زیادہ نہیں آتے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کمرے کے اندر بلی نے پاخانہ کر دیا ہو تو آپ جب بھی اس کا دروازہ کھولیں گے تو بوتو آئے گی۔ اب آپ دروازہ کھولتے ہی بند کر دیں کہ میں تو اندر نہیں جاتا بو ہے۔ تو یوں وہ بو کبھی نہیں ختم ہوگی۔

ہمارے دل میں شیطان بلی نے گندے خیالات کی نجاست پھیلا رکھی ہے۔ اب جب ہم مراقبہ میں بیٹھ کر ذرا دل کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہیں تو اندر سے وہی جو بھر ہوتے ہیں، وہی مخلوق کی محبت وہی الٹی سیدھی باتیں، قطعاً گھبرانے کی بات نہیں۔ اس کو برداشت کیجیے۔ اس پر بھی اجر ملے گا۔

چنانچہ ہمارے مشائخ میں سے کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت میں مراقبہ میں بیٹھتا تو ہوں، مگر وسوسے بڑے آتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ اگر عام آدمی کو ایک اجر ملتا ہے تو آپ کو اللہ تعالیٰ دگنا اجر عطا فرمائیں گے۔ اس لیے کہ رکاوٹ زیادہ ہے۔

حدیثِ پاک سے ثبوت ہے کہ جو بندہ اٹک اٹک کے قرآن مجید پڑھتا ہے اس کو زیادہ اجر مل جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ بیٹھنا جتنا مشکل ہوتا ہے اتنا ہی اس کو اجر زیادہ مل جاتا ہے۔ تو ابتداء میں بھلے آپ کو ادھر ادھر کے خیالات آئیں۔ مگر آپ بیٹھے رہیے، بیٹھے رہیے، بیٹھنے میں ہی راز پوشیدہ ہے، اس ذکر کی برکات کے کھلنے کا۔

تلین جلو اور تلین قلوب:

اس پہلی کیفیت میں بیٹھنے کی عادت پڑ جائے تو اس کو کہتے ہیں جسم کا ذکر کے ساتھ مناسبت پا جانا۔ یہ پہلا قدم ہے، اس کے بعد پھر قلب کو مناسبت ہوتی ہے۔ ایک مثال سے ذرا سمجھیے:

جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کے لیے التحیات میں بیٹھنا بڑا آسان بلکہ کئی دفعہ کرسی پر بیٹھنا مشکل لیکن نیچے بیٹھنا آسان ہوتا ہے۔ مگر جن لوگوں کو نماز کی عادت نہیں ہوتی یا جو کافر لوگ ہیں، ان کو اگر کہا جائے کہ آپ ذرا التحیات کی شکل میں بیٹھیں تو ان کے لیے یہ ایک مصیبت ہے۔ کئی لوگوں کو دیکھا گیا کہ اگر ان کو کبھی نیچے بیٹھنے کا موقع ملے تو پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہیں۔ کیوں؟ کہتے ہیں جی ہماری ٹانگیں ٹھیک ایسے مڑتی نہیں، جیسے مڑنی چاہئیں۔

اس لیے کہ ان کے جسم کی مناسبت ہی نہیں اس پوزیشن میں بیٹھنے کے ساتھ۔ بالکل اسی طرح سالک کو بیٹھنے سے، پہلے تو جسمانی طور پر مناسبت ہوتی ہے پھر اس کے دل کو ذکر کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

ثُمَّ تَلِينَ جُلُودَهُمْ وَ قُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: 23)

یہاں ایک راز موجود ہے۔ قلوب سے پہلے جلد کا تذکرہ کیا کہ یہ جو اللہ نے بیٹھتے ہیں، پہلے ان کی

جلد نرم ہو جاتی ہے، بیٹھنے کی عادت پڑ جاتی ہے، بیٹھنا آسان ہو جاتا ہے۔ آدھا گھنٹا، ایک گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ، دو گھنٹے بیٹھنا ان کو کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ یہ تلین جلود کا مرحلہ ہے۔

بلکہ سالکین کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ذرا ادھر ادھر سے وقت ملا، اللہ کی یاد میں، مراقبے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ جب مراقبے کے لیے طبیعت وقت تلاش کرنے لگ جائے، موقع تلاش کرنے لگ جائے تو آپ سمجھ لیں کہ مجھے اللہ نے اب تلین جلود کا مقام عطا کر دیا ہے۔ اس کے بعد تلین قلوب ہے اور تلین قلوب جب ملتا ہے تو پھر انسان کے ذکر کی وہ کیفیت ہوتی ہے کہ ذکر کے بغیر اسے زندگی اچھی نہیں لگتی۔ امام رازی فرماتے تھے۔

”اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ، اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ“ اللہ کی یاد انسان کی زندگی کا حاصل بن جاتی ہے تو ذکر رسوخ پکڑ جاتا ہے۔ انسان کے قلب میں اور پھر باطن دھل جاتا ہے اور قلب کے اندر کی صفائی ہو جاتی ہے۔ نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ ذکر پھر اپنا اثر دکھاتا ہے۔ جو حضرات ذکر کر کے اپنے دل کے اندر استعداد پیدا کر لیتے ہیں، پھر قرآن مجید کی تلاوت سے ان کی باطنی ترقی اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

اس لیے ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق کو اگر آپ دیکھیے تو ابتداء میں سارے ہی اسباق ذکر کے ہیں۔ پھر اس کے بعد تہلیل آتی ہے اور پھر اس کے بعد جا کر مراقبہ اور پھر جا کر کہیں قرآن اور حقیقتِ صلوة کے مرحلے آتے ہیں۔ تو ترتیب ہی مشائخ نے ایسی بنا دی۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی نماز سے فائدہ ہو، تلاوت قرآن سے فائدہ ہو، تو ابتداء یہ ہے کہ ہم ذکر کو اچھی طرح کریں تاکہ ذکر کے ساتھ طبیعت کو مناسبت ہو جائے۔

ذکر کثیر کی تاثیر:

یہ بنیاد اس عاجز نے اس لیے باندھی تاکہ اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہو جائے کہ ہماری بیماریوں کا حل اس ذکر کی کثرت میں پوشیدہ ہے۔ ہم اگر ذکر کرتے بھی ہیں تو کثرت کے ساتھ نہیں کرتے۔ اس لیے فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے پریشانی ہوتی ہے کہ اتنا عرصہ ہو گیا اور ابھی تک قلب کے اندر وہ نورانیت نہیں آئی جو آنی چاہیے تھی۔

تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہم کثرت کے ساتھ ذکر کریں۔ جب طبیعت میں مناسبت ہو جائے گی تو پھر ایک وقت آئے گا کہ ہر وقت انسان کے دل میں اللہ کا دھیان رہے گا، توجہ رہے گی۔ پھر اگر کوئی بندہ اللہ کو بھلانا بھی چاہے گا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کو بھلا نہیں سکے گا۔ ایسی کیفیت آ جاتی ہے۔ بھلانا بھی چاہو تو بھلا نہیں سکو گے۔ ایسا وقت آ جاتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے؟ دنیا میں کسی سے تعلق ہوتا ہے، لوگ نہیں بھول سکتے، اپنی باتوں کو۔ شاعر نے کہا:

روز کہتا ہوں بھول جاؤں اسے اور روز یہ بات بھول جاتا ہوں
اگر دنیا کے تعلق کا یہ حال ہے تو پھر اللہ رب العزت کے تعلق کا کیا عالم ہوگا؟ اس لیے ہمارے مشائخ نے یہ فرمایا:

جو دم غافل سو دم کافر

”جو سانس غفلت میں گزر گیا ایسا ہی ہے جیسے وہ سانس کفر میں گزر گیا۔“

انہوں نے یہ چھوٹی سی بات نہیں کی۔ یہ کیفیت بندے کو حاصل ہو جاتی ہے۔ ہمارے مشائخ ایک لمحہ بھی اللہ رب العزت سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ ایسی کیفیت ہوتی تھی۔ اور یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (ال عمران: 191) ”وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ

کو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے ہیں۔“

ذکر کثیر کی یہ تاثیر کہ انسان کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا ہے تو قلب کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے۔ محنت ابتداء میں کرنی پڑتی ہے۔ مگر اللہ رب العزت آسانی فرمادیتے ہیں۔

یہ معاملہ ایسا ہی ہے کہ جیسے چھوٹا بچہ ہو اور والد اس کو کہے کہ بیٹا ذرا میری طرف چل کے آؤ۔ ایک، دو میٹر کے فاصلے پر کھڑا کر دیتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ذرا چل کے میرے پاس آؤ۔ تو والد صرف یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بچہ کوشش کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ والد کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ گر بھی سکتا ہے، اور وہ تیار ہوتا ہے، ذرا اس نے ڈگمگانا شروع کیا تو باپ گرنے نہیں دیتا فوراً اس کو سینے سے لگا لیتا ہے۔ تو پروردگار عالم بھی ہماری تمام کمزوریوں کو جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود فرماتے ہیں، ذرا میرے پاس آؤ، آؤ میرے پاس۔ پروردگار بھی بندے کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ تو بندے کو چاہیے کہ اللہ رب العزت کی طرف سفر کرنے کے لیے کمر بستہ ہو جائے، ڈٹ جائے، اگر اس راستے میں کوئی رکاوٹیں ہوں گی تو پروردگار عالم خود مہربانی فرمادیں گے۔

کرامات کی حیثیت:

ہمارے سلوک میں کرامات کو حاصل کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

اگر بہاروی مگسے باشی و بر آب روی نحس باشی
دل بدست آور تا کسے باشی

”اگر تو ہوا میں اڑتا ہے تو مکھی کی مانند ہے، پانی پر چلتا ہے تو تو ایک تنکے کی مانند ہے، تو تو دل کو قابو میں

کر لے تاکہ کچھ تو بن جائے۔“

تو ہم نے اپنے دل پہ محنت کرنی ہے اور اپنے دل کو قابو کرنا ہے۔ پھر اس کی برکتیں دیکھیے گا۔

ذکر کی اہمیت کو سمجھیں:

تو ان اجتماعات کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہم ذکر کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنی کمی کو تا ہیوں کو دور کریں اور اگر کہیں ہم دوائی کم استعمال کر رہے ہیں تو دوائی کی ٹھیک مقدار استعمال کریں تاکہ فائدہ جلدی ہو جائے۔ اور اگر ہم نام کے سالک بھی بنے ہوئے ہیں اور عمل دیکھو تو ہالک بنے ہوئے ہیں تو پھر تو عمر بھی گزر جائے گی مگر کچھ نہیں بنے گا۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ پیر ہرات کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے ایک عجیب بات لکھی، سونے کی سیاہی سے لکھنے والی بات ہے۔ فرماتے ہیں:

”کوئی نقش بندی ہے، کوئی چشتی ہے، کوئی قادری ہے، کوئی سہروردی ہے۔ اگر دل میں خدا کی یاد ہے تو تم سب کچھ ہو ورنہ کچھ بھی نہیں۔“

تو ذکر کی کثرت کرنی ہے۔ اس سے پھر ہمارے راستے کھلیں گے اور اللہ رب العزت کی طرف سے خصوصی رحمتوں کا نزول ہوگا، برکتوں کا نزول ہوگا۔

ذکر کرنے میں حکم خدا کی بجا آوری ہے:

ہمارے اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں یہ جو آیت ہے، ”وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل: 8)“ اسی پر عمل ہے۔ دیکھیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔ یہ امر کا صیغہ ہے۔ ”وَ اذْكُرْ (المزمل: 8)“ حکم دیا جا رہا ہے۔ آج لوگ پوچھتے ہیں ذکر کیوں کرتے ہیں؟ مراقبہ کیوں کرتے ہیں؟ بھئی کیوں نہ کریں، اللہ رب

العزت کا حکم ہے **وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ** (المزمل: 8) ہمارے رب کا نام کیا ہے؟ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ تمہارے رب کا نام کیا ہے؟ تو ہم کیا نام لیں گے؟ اللہ۔ یہ اللہ جو ہے اس میں یہ اللہ رب العزت کا اسم ذات کہا جاتا ہے۔ باقی صفاتی نام ہیں اور یہ ذاتی نام ہے۔ تو ارشاد فرمایا:

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل: 8) ذکر کر اپنے رب کے نام کا۔

تو رب کا نام کیا ہے؟ اللہ۔ حکم ہے کہ رب کے نام کو یاد کرو، مگر یاد کرنے کی مقدار ہے۔ کتنا یاد کریں؟

وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلاً (المزمل: 8)

حتیٰ کہ مخلوق سے تمہارا دل کٹ جائے اور تمہارا پروردگار سے دل جڑ جائے۔ اس حد تک ہم نے ذکر کو کرنا ہے۔ مخلوق سے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل حاصل ہو جائے۔ اس حد تک ذکر کرنا ہے۔

مراقبہ کیوں کرتے ہیں؟

کہتے ہیں مراقبہ کیوں کرتے ہیں؟ دیکھیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ (الاعراف: 205)

اپنے رب کا ذکر کر اپنے نفس میں، اپنے جی میں، اپنی سوچ میں، اپنے دھیان میں، اپنے من میں اپنے رب کو یاد کر۔ اب یہ حکم الہی ہے۔

کیسے کریں! اس کی تفصیل بھی بتادی۔

تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً (الاعراف: 205) ”خفیہ اور پوشیدہ انداز سے“

معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں کہ **تَضَرُّعًا وَ خِيفَةً**

(الاعراف: 205) کے الفاظ سے ذکر قلبی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ تو یہ حکم الہی ہے قرآن مجید میں۔ تم اللہ کا

ذکر کرو اپنے من میں، اپنے جی میں، اپنے دل میں۔ ہم اپنے دل میں اللہ کو بیٹھ کر یاد کرتے ہیں۔ اس میں کون سی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ اور کئی مرتبہ تو بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ان کو تو ذکر کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے۔ الحمد للہ

اللہ کے بندے ذکر کو کام ہی نہیں سمجھ رہے۔ جس امر کا پروردگار حکم فرما رہے ہیں اس کو کام ہی نہیں سمجھتے۔ تو یہ سوچ کا قصور ہے، ہمیں ان سے کیا گلہ کرنا ہے۔ بہر حال ہمیں تو اپنا مقصد پورا کرنا ہے۔ اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہماری اصلاح ہو جائے، ہمارا دل منور ہو جائے، ہمارا دل اللہ رب العزت کی محبت سے بھر جائے۔

ذکر کرنے کے دو خاص فائدے:

تو دو باتیں ہیں۔ ایک تو ذکر سے فکر کی گندگی دور ہوتی ہے اور دوسرا ذکر سے ذات (اللہ رب العزت) کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

جس چیز کا جتنا زیادہ تذکرہ کرنا شروع کر دیں اس کا اتنا ہی زیادہ پانے کو جی چاہے گا۔ ایک دن کوئی تذکرہ کر دے کہ اناس کیسا پھل ہے؟ کوئی دوسرے دن تذکرہ کر دے، دو چار مرتبہ تذکرہ ہو تو ہر بندہ کہے گا کہ اناس کھانے کو جی چاہتا ہے۔ تو ذکر سے ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے جو حضرات کثرت سے ذکر کرتے ہیں پھر ان کو دونوں چیزیں نصیب ہو جاتی ہیں۔ فکر کی گندگی بھی دور ہو جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی محبت سے دل بھی لبریز ہو جاتا ہے۔

مشائخ عظام اور کثرتِ ذکر:

ہماری بیماریوں کا علاج ذکر کی کثرت میں ہے۔ ذکر کی کمی انسان کے لیے نقصان دہ ہے۔ تو ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔ ہمارے مشائخ کتنا ذکر کرتے تھے؟

☆ حضرت خواجہ فضل اللہ قریشیؒ ان کے معمولات میں لکھا ہے کہ جب ہل چلاتے تھے زمین پر تو دل پر اللہ، اللہ کی ضرب بھی لگتی رہتی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب ہل ختم ہوئے میں نے گنا تو اسی ہزار مرتبہ اسم ذات کی ضرب لگائی تھی۔ اسی ہزار مرتبہ، اتنا ذکر کرتے تھے۔

☆ حضرت مولانا حسین علیؒ کی خانقاہ پر جب رات کو مراقبہ ہوتا تھا تو اس کی اختتامی دعا نہیں ہوتی تھی۔ کیا مطلب؟ کہ حضرت عشا کے بعد مراقبہ کے لیے تشریف فرما ہوتے اور جماعت ساری حلقہ بنا کے بیٹھ جاتی اس کے بعد اجازت تھی جب کوئی تھک جائے، بے شک وہ چلا جائے۔ ایک اٹھ کے جاتا، دوسرا جاتا، تیسرا جاتا حتیٰ کے جاتے جاتے سب لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور حضرت جب سراٹھا کے دیکھتے کہ سب چلے گئے تہجد کا وقت تھا تو حضرت تہجد کی نیت باندھ لیا کرتے۔ یہی مراقبہ تھا اور یہی رات کا گزرنا تھا۔ مراقبہ کی اختتامی دعا ہی نہیں ہوتی تھی۔ گھنٹوں مراقبہ کرتے تھے، گھنٹوں۔

مشائخ کی خلوت کی زندگی:

ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا ان کے معمولات منٹوں والے نہیں تھے، گھنٹوں مصلے پر بیٹھتے تھے، بیٹھے رہتے تھے۔ ہم نے تو ان کے دن کو دیکھا، کبھی اللہ ان کی راتیں بھی دکھا دیتے تو کیا بات ہوتی۔ ان کی خلوت کے لمحات دیکھتے۔

عام لوگ چونکہ جلوت میں دیکھتے ہیں کہ اوجی مشائخ بیٹھے ہیں۔ کھانا بھی اچھا مل رہا ہے اور خدمت بھی خوب ہو رہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہی کچھ ہے، انہوں نے ان کی خلوت کی زندگی اور مجاہدوں کو نہیں دیکھا ہوتا کہ وہاں انہوں نے کتنا وقت گزارا ہوتا ہے۔

یاد رکھیں! جتنا انسان خلوت میں بیٹھ کے اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نور کو اسی بندے کے چہرے پر سجا دیا کرتے ہیں۔ اس لیے تو اللہ والوں کے چہرے منور ہوتے ہیں۔ تو دل بھی منور ہوتے ہیں اور

چہرے بھی منور ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا:

الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذَكَرَ اللَّهُ اللہ والے وہ ہوتے ہیں کہ جن کو دیکھو تو اللہ یاد آجائے۔

تو اس لیے ذکر کی کثرت ایک انتہائی اہم نکتہ ہے اور آپ حضرات دلوں میں یہ ارادے کیجیے کہ اگر ہم اپنے معمولات نہیں کرتے تو کریں گے، اور اگر کرتے ہیں، کم وقت دیتے ہیں تو اس کو زیادہ وقت دیں۔

مراقبہ، اصل تریاق ہے:

اکثر ہم اپنے احباب کے خطوط میں یہی شکوہ پڑھتے ہیں کہ حضرت درد شریف کی تسبیح بھی پڑھ لیتا ہوں، استغفار بھی پڑھ لیتا ہوں، بس مراقبہ نہیں ہوتا۔

بھئی! درد شریف اور استغفار یہ اوراد ہیں اور مراقبہ ہمارا سبق ہے۔ یہ اصل تریاق ہے۔

ڈاکٹر جب دوائی دیتا ہے تو اس میں اینٹی بائیوٹک گولی بھی ہوتی ہے، درد کی گولی بھی ہوتی ہے اور وٹامن بھی ہوتے ہیں۔ اس کو ایک نسخہ بنا کے دیتا ہے۔ اب وہ بندہ جب گولی کھائے تو اس نے اینٹی بائیوٹک تو کھائی نہیں اور وٹامن کی گولی روز کھائے اور پھر کہے کہ بخار نہیں اتر رہا۔ تو بخار کیسے اترے گا؟ اصل چیز تو وہ تھی جس نے بخار دور کرنا تھا۔

ہمارے گناہوں کے بخار کو دور کرنے کے لیے ذکر قلبی، مراقبہ، تریاق کی مانند ہے۔ آزما لیجیے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے کہ ہم اور آپ پہلی بار اس سفر کے لیے نکلے ہیں۔ نہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر ہمارے مشائخ صدیوں سے چلے آ رہے ہیں، صدیوں سے۔ کروڑوں انسانوں نے اس راستے پر چل کر زندگی گزاری اور انہوں نے اللہ رب العزت کی محبت کو حاصل کیا۔

آج جیسے دو ضرب دو کوئی پوچھے، تو جواب دینے والا کہتا ہے کئی بات ہے چار ہے۔ جس طرح اس عاجز کو یقین ہے کہ دو ضرب دو چار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس عاجز کو اس سے بڑھ کے یقین ہے کہ جو بندہ پابندی سے ذکر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں اپنا وصل ضرور نصیب فرمائیں گے۔ اور یہ بات کرتے ہوئے اس عاجز کے پاؤں کے نیچے چٹان ہے۔ ایسے یقین سے کہہ رہا ہوں۔ اس لیے کہ ہم نے اپنے مشائخ کی زندگیوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔

یہ کوئی تجربہ نہیں ہو رہا کہ پہلی بار نئی دوائی مارکیٹ میں آئی ہے کہ آپ اس کا تجربہ کر رہے ہیں۔ یہ ایک پیٹنٹ دوائی ہے۔ شروع سے لے کر اب تک۔

ذکر کب سے ہوتا آرہا ہے؟

نبی علیہ السلام کے دور سے لے کر اب تک ذکر ہوتا آرہا ہے اور ذکر سے اجر ملتا ہے۔ اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ بھی ذکر کرتے تھے باقاعدگی سے ذکر کرتے تھے اور صحابہؓ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین ان کی زندگی کے اوقات اللہ کی یاد میں گزرتے تھے۔ ہاں۔ یہ اصطلاحات جو آج استعمال ہوتی ہیں یہ بعد کے مشائخ نے متعین کیں۔ ابوسید خرازیمؓ تابعین میں سے ہیں انہوں نے سب سے پہلے فنا اور بقاء کا لفظ استعمال کیا۔ تو الفاظ کا استعمال تو چلو بعد میں سہی مگر کیفیات تو شروع سے ہوتی آرہی ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کی خدمت بالکل خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ یہ احادیث نقل کر کے پھر پوچھتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام اور صحابہؓ کا اتنی دیر خاموش رہنا غفلت کی وجہ سے تھا یا اللہ کی یاد کی وجہ سے تھا؟ تو یہ فقط خاموشی نہیں تھی بلکہ تدبر تھا، تفکر تھا اور یہ ذکر سے بھی اوپر کا مقام ہے۔ تو اس لیے کہ ان حضرات کی زندگیوں میں بھی ذکر بہت زیادہ تھا اور اس وقت سے آج تک چلا آرہا ہے۔ تو ہمیں ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے۔

بابا من کی آنکھیں کھول:

اگر ہم چاہیں کہ ہمارا من صاف ہو جائے تو جب تک ہم ذکر نہیں کریں گے من کی آنکھیں نہیں کھلیں گی۔

بابا من کی آنکھیں کھول ، بابا من کی آنکھیں کھول
مطلب کی ہے دنیا ساری، مطلب کے ہیں سب سنساری
جگ میں تیرا کوہت کاری تن کا سارا زور لگا کے نام اللہ کا بول
کوہت کاری یوں سمجھیں کہ مشکل کشا
بابا من کی آنکھیں کھول ، بابا من کی آنکھیں کھول
دنیا ہے یہ ایک تماشا ، چاردنوں کی جھوٹی عاشہ

عاشہ محبوبہ کو کہتے ہیں

پل میں تولہ پل میں ماشہ

گیان ترازو ہاتھ میں لے کر تول سکے تو تول

تو ہم من کی آنکھیں کھول کے ذرا دیکھیں تو سہی کہ ہمیں کیا معارف نظر آتے ہیں۔

خلفائے راشدین اور دوام ذکر:

خلفائے راشدین کی زندگی کے بارے میں ایک بات لکھی ہے کہ ان کی زبان پر اکثر کچھ اذکار رہتے تھے۔ اور وہ ان کے اذکار ان کے مقامات کے مطابق تھے۔ یہ بھی ایک عجیب معرفت کی بات لکھی گئی۔ مثلاً

☆ سیدنا صدیق اکبرؓ ان کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ اٹھتے، بیٹھتے، ہر وقت لا الہ الا اللہ کا ورد کثرت کے

ساتھ کرتے تھے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کی مخلوق پر نظر اٹھتی ہی نہیں تھی، کاملاً ان کی توجہ اللہ رب العزت کی ذات کی طرف ہوتی تھی۔ ہر وقت لا الہ الا اللہ یہ نفی ہو رہی ہوتی تھی مخلوق کی۔ ذکر کر رہے ہوتے تھے۔ تو ان کا ذکر ہر وقت یہ ہوتا تھا۔ تہلیل لسانی اسی کو کہتے ہیں۔

☆ سیدنا عمرؓ کو کثرت سے اللہ اکبر کہنے کی عادت تھی چنانچہ اٹھتے بیٹھے، جب بھی کوئی بات ہوتی تھی تو کہتے اللہ اکبر کبیراً! یہ ان کی زبان پر زیادہ رہتا تھا۔ کیوں؟ کہ ان کی نظر جب بھی مخلوق پر پڑتی تھی تو مخلوق کی بجائے اللہ رب العزت کی عظمت کی طرف ان کا دھیان چلا جاتا تھا۔ ہر چیز میں اللہ کی بڑائی کو دیکھتے تھے۔ یہ ان کی طبیعت ہی ایسی تھی چنانچہ اللہ اکبر، اللہ اکبر کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے تھے۔

☆ سیدنا عثمان غنیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی زبان پر اکثر سبحان اللہ کا لفظ رہتا تھا۔ ہر وقت کہتے، بات بات پر سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

آپ نے سنا ہوگا کہ فرشتے بھی سبحان اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اس وجہ سے حضرت عثمانؓ کے اندر شرم و حیا نسبتاً بہت زیادہ تھی۔ ایسے باحیا تھے کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے حیا کیا کرتے تھے۔

خود نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں، بیٹھے ہیں اپنے گھر میں، حجرہ مبارک میں پنڈلی مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہے تو جب اور صحابہ آتے ہیں تو آپ ﷺ لیٹے رہے اور جب حضرت عثمان غنیؓ تشریف لاتے ہیں تو آپ اٹھ کے بیٹھ گئے اور جسم مبارک کو ڈھانپ لیا۔ جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ جب فرشتے ان سے حیا کرتے ہیں تو میں کیوں نہ حیا کروں۔ تو ان کو وہ مقام حاصل تھا۔

☆ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریمؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو الحمد للہ کہنے کا، ان کا تقیہ کلام الحمد للہ تھا۔ تو چاروں صحابہؓ کا اپنا اپنا تقیہ کلام تھا اور یہ ان کے مدارج کے حساب سے تھا۔

ترتیب خلافت میں علما کا استدلال:

ہمارے اس سلسلے میں حضرت خواجہ نقشبند بخاریؒ سے پوچھا گیا یہ جو طریقت ہے کیا یہ شریعت سے علیحدہ کوئی چیز ہے تو انہوں نے اس کا عجیب جواب دیا۔ فرمانے لگے نہیں، طریقت کا مقصود یہ ہے کہ جو کچھ اجمالی ہے وہ تفصیلی ہو جائے اور جو استدلالی ہے وہ کشفی ہو جائے۔ دو باتیں کہیں۔ تو علماء اسی چیز کو استدلال سے ثابت کر دیتے ہیں، مشائخ اسی چیز کو کشف میں دیکھ لیتے ہیں۔

چنانچہ مشائخ نے ان چاروں حضرات کے مقام کو دیکھا تو ان کو پتہ چلا کہ اللہ رب العزت نے ان کو ذکر کی مناسبت سے مقام دیا تھا۔ اور اسی مناسبت سے پھر ترتیب خلافت بھی آئی۔ لیکن علماء نے اس کو استدلال سے ثابت کر دیا چنانچہ انہوں نے ترتیب خلافت کی اپنی دلیلیں دیں۔

علمائے لکھا کہ نبی علیہ السلام نے جو فرمایا:

خَيْرُ الْقُرُونِي قُرْنِي

تو یہ جو قرنی کا لفظ ہے اس کے اندر ترتیب خلافت کا راز موجود ہے۔ مثلاً جتنے خلفائے کرام ہیں، خلفائے راشدین ان کے نام کا آخری حرف اگر آپ لیتے جائیں تو قرنی کا لفظ بن جاتا ہے۔ صدیق کی 'ق'، عمر کی 'ر'، عثمان کی 'ن' اور علی کی 'ی' سب کے نام کا آخری حرف لیں تو کیا بن گیا؟ قرنی۔ تو فرماتے ہیں کہ قرنی کے لفظ میں ہی اللہ نے ان کی خلافت کی ترتیب بتا دی۔ اب انہوں نے اس کو دلائل سے ثابت کر دیا۔

بعض علمائے یہ دلیل دی کہ اگر ایک آدمی کے سسر ہوں اور ساتھ داماد ہو تو پھر فضیلت کس کے مقام کو حاصل ہے؟ سسر کو اس لیے کہ وہ والد کے درجے میں آجاتا ہے۔ اور داماد بیٹے کے درجے میں آجاتا ہے۔ تو سسر کو داماد پر فضیلت ہوتی ہے۔

لہذا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمرؓ یہ دونوں نبی علیہ السلام کے سر تھے۔ اور باقی دو حضرات نبی علیہ السلام کے داماد تھے۔ اور ان میں سے بھی ایک عثمانؓ کے نکاح میں دو بیٹیاں اور دوسرے حضرت علیؓ کے نکاح میں ایک بیٹی۔ لہذا حضرت عثمانؓ تیسرے نمبر پر اور علیؓ چوتھے نمبر پر خلیفہ بنے۔

تو علمائے جن چیزوں کو استدلال سے ثابت کیا ہمارے مشائخ نے انہی چیزوں کو کشف کے ذریعے دیکھ کر بتا دیا۔ تو ان حضرات کا مقام ذکر کی مناسبت سے ہے۔ تو ذکر وہ حضرات بھی کرتے تھے، ہمیں بھی آج ذکر کی کثرت کے ساتھ کرنا ہے اور اسی میں ہماری تمام بیماریوں کا علاج موجود ہے۔

اللہ کی یاد میں سب کو بھول جائیں:

اتنا ذکر کیجیے کہ انسان ذکر کرتے کرتے اپنے آپ کو بھول جائے، بس اللہ کی یاد دل میں رہ جائے۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ ان کی خانقاہ پر سو، ڈیڑھ سو آدمی ہر وقت اللہ، اللہ سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ صبح، دوپہر، شام ہر وقت وہیں ہوتے تھے ان کے حالات میں لکھا ہے بلکہ ہم نے اپنے شیخ سے یہ بات سنی بھی کہ وہ فرماتے تھے کہ جب رات کو لوگ سوتے تھے تو تھوڑی دیر کے بعد کسی ایک سالک پر حال طاری ہوتا۔ اللہ، اللہ، اللہ کہتا تھا۔ وہ زور سے یہ کہنے لگ جاتے تو سب کی آنکھ کھل جاتی اور تھوڑی دیر بعد ان کی طبیعت ذرا سنبھلتی، تھوڑی دیر آنکھ لگتی پھر کسی نہ کسی کے اوپر وہی کیفیت طاری ہو جاتی اللہ، اللہ، اللہ۔ اسی طرح سوتے جاگتے میں ساری رات گزر جایا کرتی تھی۔

یہ کیفیت تھی ان حضرات کی۔ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ دو بوڑھے تھے دونوں آپس میں قریب قریب بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کے بال کھینچتا، کپڑے کھینچتا، جھنجھوڑتا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ دوسرا پہلے والے کو اسی طرح کرتا۔ اب لوگ بڑے حیران کہ یہ لوگ سالک ہیں، بزرگ ہیں تو یہ مجھے میں کیا ایک دوسرے کو مار رہے ہیں اور بال کھینچ رہے ہیں۔ تو ایک بندہ ان کے قریب ہوا کہ دیکھیں تو

سہی کہ مسئلہ کیا ہے۔ جب قریب ہو تو تب اس کو پتہ چلا کہ اصل میں ان کے درمیان الجھاؤ کا معاملہ پیش کیسے آیا۔

دونوں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک نے دوسرے کو کہہ دیا کہ اللہ میڈا ہے اور دوسرے پر بھی محبت کا عجیب غلبہ تھا اس نے اس کو جھنجھوڑ کے کہا جی اللہ میڈا ہے۔ اب وہ اس کو جھنجھوڑتا ہے اللہ میڈا ہے اور وہ اس کو جھنجھوڑتا ہے اللہ میڈا ہے۔ آپ اندازہ لگائیے۔ کتنی محبت ان کے دلوں میں ہوگی کہ جو اللہ کی محبت میں اتنے مست تھے کہ ان کو بس یہی اچھا لگتا تھا کہ اللہ میڈا ہے۔

کاش! یہ کیفیت ہمیں بھی زندگی میں کبھی حاصل ہو جاتی۔ یہ محبت ایسی چیز مل جائے۔ یہ ہے **اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ** (البقرہ: 165) اللہ تعالیٰ کی شدید محبت دل میں۔ یہ بندے کو پھر مضطرب بنا دیتی ہے۔

محبتِ الہی میں اضطراب ضروری ہے؟

اسی لیے حضرت خواجہ معصوم فرماتے ہیں کہ جب تک سالک ذکر کے حصول میں مضطرب نہ ہو جائے تب تک کام نہیں بنتا۔

حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبہ: 118)

فرماتے ہیں کہ ایسی کیفیت ہو کہ زمین اس پر باوجود کشادگی کے تنگ ہو جائے اور یہ کیفیت ہو کہ ہر سالک محسوس کرے

وَظَنُوا أَن لَّا مَدْجًا مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ (التوبہ: 118)

کہ اب میرا اللہ کے علاوہ کوئی ملجا اور ماوی نہیں۔ تو جب یہ کیفیت ہو جائے گی تو پھر دیکھنا کہ قلب کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کتنا آتا ہے۔ تو یہ ایک بنیاد ہے۔

ذکر کو کثرت سے کرنا، اگر یہ نسخہ سمجھ میں آ گیا تو پھر آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے شیخ کی صحبت میں بیٹھیں گے تو یہ تھوڑی دیر نہیں رہے گی اللہ اسی میں کام سنوار دیں گے۔

انتقال نسبت اور صفائی قلب:

جن حضرات کے آپ نے یہ واقعات پڑھے کہ اپنے شیخ کی خدمت میں آئے اور بس ایک دن میں ان کو نسبت مل گئی، یا ایک محفل میں نسبت مل گئی، ایک مہینے میں نسبت مل گئی تو یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنے مقام پر رہ کر اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا۔ انہوں نے اپنے دل کو صاف کیا ہوا تھا۔ جب کوئی آئینہ صاف کر کے اپنے شیخ کے پاس آئے تو پھر اس میں نسبت کے انڈیلنے والی بات ہی پیچھے رہ گئی۔

ہم کیا کرتے ہیں کہ گندے برتن لے کر آجاتے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ ہم پر بھی وہی توجہ کریں جو خواجہ باقی باللہ نے کی تھی۔ کہتے ہیں: پتہ نہیں یہ واقعہ کہاں سے پڑھ لیا، یہ نہیں بھولتا۔ ہاں! یہ واقعہ سو فیصد ٹھیک ہے لیکن جس پر توجہ ہوئی ذرا یہ تو سوچیے کہ اس بندے نے کتنی اخلاص سے خدمت کی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کو کتنا راضی کیا ہوگا؟ کہ آخر ایک ایسا وقت آیا قربانی دینے کے بعد کہ اس کے شیخ کے قلب کی یہ کیفیت ہوگئی، شیخ نے خود پوچھا بتا تو کیا چاہتا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ جو آپ کی کیفیات ہیں، میں وہی چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو اپنے سینے سے لگایا تو اللہ رب العزت نے نسبت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل فرمادیا۔

ہاں! یہ نسبت منتقل ہوتی ہے لیکن اس کے لیے پھر برتن کو صاف کر کے آنا پڑتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے بارے میں آتا ہے کہ اپنے شیخ کی خدمت میں گئے تھے۔ چند دن کے بعد ان کو بھی نسبت مل گئی تھی۔ تو یہ وہ حضرات تھے جو اپنے مقام پر رہ کر کثرت کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔

آج کے سالکین کی حالتِ زار:

آج ہمارا مسئلہ یہ بنتا ہے کہ ہم اپنی جگہ اور ادو وظائف اور ذکر کی پابندی نہیں کرتے اور اگر کبھی شیخ کی صحبت میں جانا بھی ہوتا ہے تو وہاں جا کر توقعات کرتے ہیں کہ بس جی ان کے پاس کوئی مشک ہونا چاہیے اور اس کے اندر ڈبکی لگوائیں اور اللہ کے رنگ میں رنگ کے ہمیں واپس بھیج دیں۔

آتے بعد میں ہیں اور کہتے پہلے ہیں کہ حضرت میں نے بڑے مشائخ کو دیکھا۔ فلاں کے پاس بھی گیا، فلاں کے پاس بھی گیا، فلاں کے پاس، احسان چڑھاتے ہیں۔ حضرت میں نے بڑے مشائخ کو دیکھا ہے لیکن آپ سے بیعت کی ہے۔ بس اب میں حاضر ہوا ہوں، ذکر و مراقبہ تو ہوتا نہیں بس آپ ہی توجہ فرمادیں۔ ویسے میں نے جلدی گھر جانا ہے۔ اور پھر تیسری بات یہ بھی کرتے ہیں کہ بیوی بھی کوئی بات نہیں مانتی اس کے لیے بھی کچھ بنا کے دے دیں کہ میں نے جلدی گھر جانا ہے۔

اگر سالک اور پیر کے درمیان اس طرح ہوگا تو پھر اصلاح کیسے ہوگی؟ تو اس لیے اجتماعات کا مقصد صرف وعظ و نصیحت کر کے اور دھواں دار تقریریں کر کے بھیجنا نہیں ہوتا۔ بلکہ بات ذہن میں بٹھانی ہوتی ہے، ذہن سازی کرنی ہوتی ہے، کچھ سمجھانا ہوتا ہے۔

اگر ہم نے آج یہ بات سمجھ لی کہ ہم اپنا کھانا بھی چھوڑ دیں گے اور مراقبہ کا ناغہ نہیں کریں گے تو بس آپ سمجھ لیں کہ ایک بنیاد بن گئی تو پھر اس کی برکت، محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی۔ پھر آپ دیکھئے گا کہ آپ اس راستے پر کتنی تیزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ یہ بہت آسان راستہ ہے۔ مشکل نہیں ہے۔ الحمد للہ۔

کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ ہر بندہ نہیں کر سکتا۔ تو ہمارے مشائخ نے الحمد للہ اللہ رب العزت سے ایسا راستہ مانگا کہ جس پر چلنا ہر بندے کے لیے بہت آسان ہے۔ اللہ رب العزت کا احسان سمجھئے کہ

پروردگار عالم نے ہمیں اس جگہ ان بڑے حضرات کی خدمت میں حاضری کی توفیق نصیب فرمادی۔

مشائخ سے توجہات لینے کا طریقہ:

اب ہم ان توجہات سے فائدہ تبھی پائیں گے جب ہم اپنے قلب کی توجہ ان حضرات کی طرف رکھیں گے۔ جب صحبت میں ہوں تو رابطہ شیخ، اپنے آپ کو خالی سمجھیں۔

یوں سمجھیں کہ اوپر سے فیض آرہا ہے۔ نبی علیہ السلام کے قلب مبارک میں اور مشائخ کے قلب سے ہوتا ہوا میرے شیخ کے قلب سے فیض میرے قلب میں آرہا ہے۔ یہ رابطہ قلبی ہے جب سامنے ہوں اور جب سامنے نہیں تو ذکر قلبی۔ اگر یہ دو باتیں سمجھ میں آگئیں تو پھر دیکھئے اس کی برکتیں کیسے ملتی ہیں۔

ہمارے مشائخ کی ایک ایک محفل بندے کے دل کو دھو دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ لیکن دل کا قبلہ درست ہونا چاہیے۔ اگر بارش موسلا دھار ہو لیکن ایک پیالہ ہی الٹا ہو تو اس میں تو کوئی قطرہ پانی نہیں آئے گا۔ تو یہ بارش کا تصور نہیں یہ اس پیالے کا تصور ہے جس کا رخ ٹھیک نہیں ہے۔ ہم ایسی جگہوں پر آئیں تو دل کے پیالے کو ٹھیک کر کے بیٹھیں۔ متوجہ ہو کر بیٹھیں۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٍ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ (ق: 37)

”بے شک اس میں نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل ہیں“

ان باتوں میں نصیحت ہے ان کے لیے جن کے دل ہوں یعنی ان کے دل متوجہ ہوں۔

أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق: 37)

ہم تن گوش ہو کر بیٹھیں اور نگاہیں شیخ کے چہرے کی طرف ہوں، کان متوجہ ہوں کہ کیا فرماتے ہیں دل حاضر ہوں۔ پھر دیکھئے کہ آپ کو ایک محفل میں کتنا فیض ملتا ہے۔ آداب کے ساتھ تھوڑا بھی وقت

گزاریں گے تو زیادہ فائدے کا سبب بن جائے گا۔

تو یہ بنیادی چند باتیں تھیں جو اس عاجز نے آپ کے سامنے عرض کر دیں۔ مقصود تو اپنا سبق پکا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز کو بھی ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمادے۔ اور آپ حضرات بھی اگر ان پر پابندی فرمائیں گے تو انشاء اللہ ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ تو ذکر کی کثرت کرنی پڑتی ہے۔ ذکر کر کے پھر وہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ پھر انسان اپنے رب کی یاد میں لگ جاتا ہے۔ اللہ کے نام کو بھولتا ہی نہیں۔

حضرت منہ شاہ اور ذکر الہی:

حضرت قاری محمد طیبؒ نے لکھا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو مولانا قاسم نانائویؒ نے اس وقت یہ اعلان فرمایا کہ آج سنگ بنیاد میں ایک ایسی ہستی سے رکھواؤں گا کہ جنہوں نے کبیرہ گناہ تو کیا کرنا، کرنے کا ارادہ ہی دل میں کبھی نہیں کیا۔ تو پھر لوگوں نے دیکھا:

مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کے ماموں ”منہ شاہ“ کے نام سے مشہور تھے۔ ظاہر میں تو قد چھوٹا تھا مگر اللہ کے ہاں قد بہت بڑا تھا اور گھاس کاٹتے تھے۔ اور گھاس کاٹ کر بیچ کے اپنا وقت گزارتے تھے۔ ظاہر میں حیثیت اتنی معمولی سی تھی مگر بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔

ان کے بارے میں آتا ہے کہ سارا سال ایک ایک پیسہ جمع کر کے اتنا پیسہ جمع کرتے کہ دارالعلوم کے اساتذہ کی سال میں ایک مرتبہ دعوت کرتے۔ اساتذہ خود لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ہمیں سارا سال ان کی دعوت کا انتظار رہتا تھا۔ جب ہم ان کی دعوت کھا کے آتے تھے تو چالیس دن تک نماز کی حضوری میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سبحان اللہ!

چالیس دن تک ہم نماز میں حضوری کا اضافہ پاتے، جب ان کی دعوت کھا کے آتے۔ ان سے سنگ بنیاد

رکھوایا گیا اور ان کی کیا کیفیت تھی؟ ان کے ذکر کی یہ حالت تھی کہ ان کا داماد تھا اس کا نام تھا ”اللہ بندہ“ وہ سامنے سے گزرا۔ ارے میاں تم کون ہو؟ حضرت میں اللہ بندہ ہوں۔ ارے سبھی اللہ کے بندے ہیں، تم کون ہو؟ حضرت میں آپ کا داماد اللہ بندہ ہوں۔ اچھا، اچھا، اچھا۔ پھر کچھ دیر بعد سامنے آتا، ارے میاں تم کون ہو؟ حضرت میں اللہ بندہ ہوں۔ ارے، سبھی اللہ کے بندے ہیں تم کون ہو؟ حضرت میں آپ کا داماد اللہ بندہ ہوں۔ اچھا، اچھا، اچھا۔

دو سال وہ داماد آپ کی خدمت میں رہا اور دو سال میں اس کا نام یاد نہ ہوا۔ غیر کا نام ایسے محو ہو گیا تھا کہ ماسوا کہ قلب میں میں دوسرے کا نام آتا ہی نہیں تھا۔ یہ ذکر کی کیفیت تھی ہمارے مشائخ کی۔ اللہ کا نام رچ بس گیا تھا ان کے دلوں میں۔

ہم بھی ایسا ذکر کریں:

اسی طرح ہم بھی ذکر کی کثرت کریں۔ تاکہ ہمارے قلب میں اللہ کا نام رچ بس جائے، اتر جائے اللہ کا نام۔ ایسی کیفیت ہو کہ:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانہ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لا الہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

یہ کیفیت ہو جائے اللہ تعالیٰ سے ہم ایسا دل مانگیں۔

اللہ وہ دل دے جو تیرے عشق کا گھر ہو
 دائمی رحمت کی اس پہ تیری نظر ہو
 دل دے کہ تیرے عشق میں یہ حال ہو اس کا
 محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ اس کی خبر ہو

ایسے اللہ رب العزت کی ہمارے دل میں یاد آجائے کہ ہمیں ہر چیز سے غافل کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں
 ایسی یاد عطا فرمادیں۔ (آمین ثم آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ